

تمام کلاسز کی حل شدہ مشقیں ہماری ویب سائٹ **DIGITALSPOT.PK** سے **FREE** میں ڈاؤن لوڈ کریں



**Semester Spring 2021**

**Course Code**

**413**

**03065772734**

**STE Solved Paper Autumn 2020**

**www.digitalspot.pk**

سوال نمبر 1: عمرانیات اجتماعی زندگی کے بارے میں باضابطہ، علم کا نام ہے تحقیق کے ذریعے ہی معاشرتی زندگی کے بارے میں معلومات فراہم ہوتی ہیں جو کہ عمرانیات کا ایک لازمی جزو ہے عمرانیات کے دائرہ کار کو وسیع کرنے اور معاشرتی منصوبہ بندی میں تحقیق کی اہمیت کو مثالیں دے کر واضح کریں۔

جواب:

عمرانیات یا سماجیات سماجی رویے، اس کے مآخذ، ترقی، تنظیم اور اداروں کے مطالعے کا علم ہے۔ یہ ایک ایسا سماجی علم ہے جو مختلف تجرباتی تفتیشی طریقوں اور تنقیدی جائزوں کے ذریعے معاشرتی نظم، بدنظمی اور معاشرتی تبدیلی کے بارے میں ایک علمی ڈھانچہ وضع کرتا ہے۔ ایک ماہر عمرانیات کا عمومی ہدف سماجی پالیسی اور فلاح کے لیے براہ راست لاگو ہونے والی تحقیق منعقد کرنا ہوتا ہے، تاہم عمرانیات کے علم میں معاشرتی عمل کی تصوراتی تفہیم کو بہتر بنانا بھی شامل ہے۔ موضوعاتی مواد کا احاطہ فرد کے کردار اور عمل سے لے کر پورے نظام اور سماجی ڈھانچے کی تفہیم تک جاتا ہے۔

عمرانیات کے روایتی موضوعات میں سماجی پرت بندی، سماجی طبقات، سماجی نقل و حرکت، مذہب، سیکولر کاری، قانون، جنسیت اور انحراف وغیرہ شامل ہیں۔ سماجی ڈھانچے اور انفرادی کاوش کے مابین باہم ربط ضبط کا اثر انسانی سرگرمی کی تمام سطحوں پر پڑتا ہے؛ جیسا کہ طب، صحت، فوج، تعزیراتی ادارے، انٹرنیٹ، تعلیم اور سائنسی علوم پر سماجی سرگرمی کا کردار۔

سماجی علمی طریقہ کار کی حدیں وسیع ہو رہی ہیں۔ سماجی محققین نے مقداری اور معیاری تکنیکوں کا ایک وسیع تنوع وضع کیا ہے۔ بیسویں صدی کے وسط کے لسانی اور ثقافتی موڑوں کی وجہ سے معاشرے کے تجزیہ کا انداز بہت زیادہ وضاحتی، مفسرانہ اور فلسفیانہ ہو گیا تھا۔ حالیہ عشروں اور سماجی جال کے تجزیے جیسی حسابیاتی، ریاضیاتی اور تجزیاتی تکنیکوں کو اقبال (agent-based modelling) میں مبنی پر مامور نمونہ بندی حاصل ہوا ہے۔

سماجی تحقیق سے سیاست دانوں، پالیسی سازوں، منصوبہ سازوں، قانون سازوں، منتظمین، ترقی دہندگان، تجارتی اداروں، ناظمین، سماجی کارکنوں، سول سوسائٹی اور سماجی معاملات عامہ میں دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو معلومات فراہم کرتی ہے۔ سماجی تحقیق، منڈی کی تحقیق اور دیگر شماریاتی میدانوں سے معلومات اور تصورات کا تبادلہ بھی کرتی ہے۔

طبقہ بندی

عمرانیات / سماجیات کو معاشرتی علوم کے اس عام نصاب کے ساتھ گڈمڈ نہ کیا جائے، جن میں سماجیاتی تصورات اور سماجی تحقیقی طریقہ کار کا جن حروف کا مخفف ہے، STEM میدان کا درجہ دیا ہے۔ STEM بہت کم باہمی تعلق ہوتا ہے۔ امریکا کے قومی موسسہ سائنس نے عمرانیات کو ایک وہ انگریزی کے چار الفاظ کی نمائندگی کرتے ہیں؛ سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور ریاضی۔

ابتدا

عمرانیاتی استدلال کی ریت، عمرانیات کے بطور علم تشکیل پانے کی نسبت پرانی ہے۔ مغرب کی علمی اور فلسفیانہ روایت میں سماجی تجزیوں کا ذخیرہ قدیم یونان سے آتا ہے اور یہ کم از کم افلاطون کے زمانے سے جاری ہے۔ سروے کا آغاز، یعنی افراد کے ایک نمونے سے معلومات اکٹھا میں ملتا ہے، جبکہ قدیم فلسفی کنفیوشس نے سماجی کردار کی اہمیت پر قلم اٹھایا Domesday Book کرنے کا طریقہ 1086ء میں لکھی گئی کتاب ہے۔ قرون وسطی کے اسلامی عہد کے علمی ذخیرے میں بھی سماج کے تجزیاتی مطالعے کے شواہد ملتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ 14 ویں صدی عیسوی میں شمالی افریقی مسلمان دانشور ابن خلدون، علم عمرانیات کا باوا آدم ہے۔ اس کی کتاب مقدمہ (جو اس کی تاریخ کی کتاب کا ابتدائیہ تھی، اب الگ سے مقدمہ ابن خلدون کے نام سے جانی جاتی ہے) سماجی ہم آہنگی اور سماجی تصادم کے بارے میں سماجی سائنسی استدلال سے کام لینے میں پہلا بڑا سنگ میل ہے۔ اس نے بدوی زندگی بمقابلہ حضری زندگی کا تصور وضع کیا، اس نے انسانی پود یا نسل کا تصور پیش کیا اور طاقت میں ناگزیر کمی کے نتیجے میں صحرائی جنگجوؤں کے شہروں میں آگہسے کے احوال بیان کیے۔ عرب دانشور ساطع الحسری کا کہنا ہے کہ مقدمہ

کو عمرانیات کی چھ اہم ترین کتابوں میں سے شمار کر کے پڑھا جانا چاہیے۔ اس کتاب میں احاطہ کیے گئے موضوعات ہیں؛ سیاست، شہری زندگی، معاشیات اور علم۔ یہ علمی کام ابن خلدون کے مرکزی تصور "عباسیہ" کی بنیاد پر کھڑا ہے، جس سے مراد سماجی ہم آہنگی، گروہی یکجہتی یا قبائلیت ہے۔ یہ سماجی وحدت قبائل اور چھوٹے رشتہ دار گروہوں میں پروان چڑھتی ہے؛ اسے مذہبی نظریات کے ذریعے وسعت دی جا سکتی ہے۔ ابن خلدون کا تجزیہ اس عمل پر روشنی ڈالتا ہے کہ کس طرح یہ وحدت مختلف گروہوں کو طاقت ور بناتی ہے، لیکن اپنے باطن میں اپنی طاقت کے زوال کے نفسیاتی، سماجی، معاشی اور سیاسی بیج بھی پالتی ہے، تاوقتیکہ کوئی اور قوی تر (یا کم از کم نیا اور تازہ دم) گروہ، سلطنت یا قبیلہ اس کی جگہ نہیں لیتا۔

لفظ عمرانیات عربی کے لفظ عمران سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں، آبادی، سماج، معاشرت، رہن سہن۔ سماج کے لیے عمران کا لفظ ابن خلدون نے استعمال کیا تھا۔ [1] اردو میں عمرانیات کی اصطلاح سب سے پہلے 1935ء میں علم الاخلاق میں ملتی ہے۔ [2] اس کے لیے انگریزی میں لفظ بہ معنی علم یا "Lógos" بمعنی ساتھی، سنگتی اور یونانی لفظ "Socius" مستعمل ہے، جس کی اصل لاطینی اور یونانی ہے۔ لاطینی لفظ Sociology سخن۔ سوشیالوجی کی اصطلاح کا سب سے پہلے فرانسیسی سائنسی فلسفی اگستے کومتے (1798-1857) نے 1836-1748 میں آزادانہ طور پر اس کی تعریف وضع کی۔ نسخے میں استعمال کیا۔ بعد ازاں فرانسیسی سائنسی فلسفی اگستے کومتے (1798-1857) نے 1838ء میں آزادانہ طور پر اس کی تعریف وضع کی۔ (Social Physics) کومتے نے اس کو سماج کے پرکھنے کے لیے ایک بالکل نئی نظر قرار دیا تھا۔ کومتے نے ابتدا میں اس کے لیے سماجی طبیعیات کا لفظ استعمال کیا تھا، لیکن بعد ازاں اس میں بہتری کی گنجائشیں نکالی جاتی رہیں، جن میں سب سے قابل ذکر نام بلجینن ماہر شماریات ایڈولف کوئٹلے کا ہے۔ کومتے نے تاریخ، نفسیات اور معاشیات کو سائنسی فہم کے ذریعے سماجی میدان میں یکجا کر دیا۔ انقلاب فرانس کی بے چینی کے "کچھ ہی بعد، اس نے تجویز کیا کہ سماجی برائیوں کو سماجی اثباتیت کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے، اس نے اپنی کتاب "اثباتی فلسفے کا نصاب (Discours sur l'ensemble du positivisme) (مطبوعہ 1830-1842 اور "اثباتیت پر ایک عمومی نظر (Cours de Philosophie Positive) (مطبوعہ 1848ء میں ایک علمیاتی طرز فکر تشکیل دیا۔ کومتے کا ماننا تھا کہ ایک مثبت مرحلہ، ایک حتمی زمانہ ہو گا، جب وجدانی، روحانی اور مابعد الطبیعیاتی مراحل انسانی فہم کے ارتقا کا ماضی بن جائیں گے۔ کومتے کے ہاں سائنس میں تصور اور مشاہدے کے باہم دائروی انحصار کے شعور اور علوم کی درجہ بندی کی روشنی میں، ہم اسے جدید معنوں میں پہلا سائنسی فلسفی قرار دے سکتے ہیں۔

کومتے نے عمرانیات کی ترقی کو ایک طاقتور امنگ بخشی، ایک ایسی امنگ جو انیسویں صدی کے آخری عشروں میں ثمریاب ہوئی۔ یہ کہنے کا مطلب یہ دعویٰ کرنا بالکل نہیں ہے کہ دورخانیم جیسے فرانسیسی ماہر عمرانیات اثباتیت کے اس عظیم پیشوا کے نیازمند شاگرد تھے۔ بلکہ مراد یہ بتانا ہے کہ اس نے ان سبھی ناقابل تخفیف بنیادی سائنسی علوم کے اس علم العلوم پر لاگو کرنے پر زور دیا، جن کا رتبہ حفظ مراتب میں طے شدہ ہے، اور کومتے نے عمرانیات کی نوعیت کی، سماجی مظہر کے سائنسی مطالعے کے طور پر وکالت کی اور عمرانیات کو نقشے کا حصہ بنایا۔ یقینی طور پر شروعات کے ڈانڈے بہت پہلے، مثال کے طور پر مانتھیسکو، یا پھر کوندورسیت تک جاتے ہیں، اگر کومتے سے کچھ ہی پہلے گزرے سینٹ سائمن کو شمار نہ بھی کیا جائے۔ لیکن کومتے کے ہاں عمرانیات کا باقاعدہ سائنس کے طور پر واضح ادراک، اور اس کا اپنا کردار ہی تھا، کہ دورخانیم نے اسے اس سائنس کا بانی اور باوا آدم قرار دیا، اس حقیقت کے باوجود کہ دورخانیم عمرانیات کی جانب کومتے کے طرز فکر پر تنقید کرتا تھا، اور وہ اس کا تین حالتوں والا تصور تسلیم نہیں کرتا تھا۔

(فریڈرک کوپلستن، اے ہسٹری آف فلاسفی: 9 ماڈرن فلاسفی 1974ء)

اگستس کومتے اور کارل مارکس، دونوں تاریخ اور سائنس کے فلسفوں میں بہت سی تحریکوں سے روشنی لے کر، یورپی صنعت پذیری اور سیکولر سازی کی لہر کے بعد، سائنسی جواز کے حامل نظام وضع کرنے نکلے تھے۔ مارکس نے کومتے کی اثباتیت کو رد کیا تھا، لیکن سماج کی سائنس وضع کرنے میں مارکس کی کاوشوں کو لے کر اسے عمرانیات کا بانی قرار نہیں دیا جاتا کیونکہ سوشیالوجی کی اصطلاح کے مطالب وسیع تر تھے۔ عیسائیہ برلن کے بقول مارکس علم عمرانیات کا 'حقیقی باپ' تھا۔ اب تک شاید ہی کوئی اس سے زیادہ اس خطاب کا مستحق ہو۔

اپنے زمانے کے مشغول ترین ذہن کے آدمیوں کے نظریاتی سوالوں کے مانوس تجربی لفظوں میں واضح اور یک جہت جواب دے پانا، اور دو چیزوں باتوں کی بناوٹی کڑیاں ملانے بغیر ان جوابات سے واضح عملی ہدایات کا اخذ کر پانا، مارکسی فکر کی بنیادی کامیابی تھی۔ تاریخی اور اخلاقی مسائل کا عمرانی علاج، جو کومتے اور اس کے بعد سپنسر اور تاننے نے زیر بحث لا کر اس کی نقشہ کشی کی، ایک ٹھوس اور جامع مطالعہ بن کر سامنے آیا۔ تاوقتیکہ عسکریت پسند مارکسیت نے اس کے ثمرات کو ایک سلگتا ہوا سوال بنا دیا، اور یوں اس سے شواہد کی تلاش زیادہ سرتوڑ ہو گئی اور طریقہ کار پر توجہ مزید بڑھا دی گئی۔

عیسائیہ برلن؛ کارل مارکس، ہز لائف اینڈ انوائرنمنٹ، 1937ء

ہربرٹ سپنسر (پ 27 اپریل 1829- وف 8 دسمبر 1903) انیسویں صدی کا سب سے مقبول اور بااثر ماہر عمرانیات تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی زندگی میں اس کی دس لاکھ کتابیں فروخت ہوئیں اور یہ فروخت اس وقت کے کسی بھی ماہر عمرانیات سے زیادہ ہے۔ اس کے انیسویں صدی کے مفکرین میں اثر کی مثال اس بات سے دی جا سکتی ہے کہ ایمیلے دورخانم اپنے تصورات کو اس کے افکار کے تعلق میں بیان کرتا تھا۔ دورخانم کا تقسیم محنت کا تصور وسیع تر زاویے سے دیکھا جائے تو سپنسر کے ساتھ مباحثوں کا نتیجہ ہے اور بہت سے مبصرین اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ دورخانم کی عمرانیات بڑے پیمانے پر سپنسر سے مستعار لی ہوئی ہے۔ ایک قابل ذکر ماہر حیاتیات کی وجہ سے سپنسر نے "بقائے موزوں ترین" کا تصور پیش کیا۔ چونکہ مارکسی فکر عمرانیات کی ایک شاخ کی تعریف کرتا ہے، سپنسر سوشلزم کا نقاد ہے اور "لیزے-فیری" یعنی آزاد کر دو کے طرز حکومت کا قائل ہے۔ اس کے خیالات کو رجعت پسند سیاسی حلقوں میں بہت پزیرائی ملی، بالخصوص امریکا اور برطانیہ کے حلقوں میں۔

درسی علم کی بنیاد

رسمی درسی عمرانیات کی تشکیل کا سہرا ایمیلے دورخانم کے سر ہے، جس نے عملی سماجی تحقیق کی بنیاد اثباتیت پر رکھی۔ اگرچہ اس نے کومتے کے فلسفے کی بہت سی جزویات کو رد کیا ہے، تاہم اس نے اس کے طریقہ کار کو ناصرف تسلیم کیا بلکہ اس میں بہتری بھی لایا۔ اس نے تسلیم کیا کہ سماجی سائنسی علوم، انسانی سرگرمی کے میدان میں فطری علوم کا ہی منطقی تسلسل ہیں، اس نے زور دیا کہ سبب اور مسبب کے انداز فکر میں بھی وہی معروضیت اور معقولیت قائم رہنی چاہیے۔ دورخانم نے 1895ء میں یونیورسٹی آف بورڈیاکس میں یورپ کا پہلا شعبہ عمرانیات قائم کیا اور اپنے عمرانیاتی طریقہ کار اور اصول شائع کیے۔ دورخانم کے نزدیک عمرانیات سے مراد "اداروں، ان کی تکوین اور ان کی کارکردگی کی سائنس" ہے۔

دورخانم کا طبغزاد رسالہ خودکشی (1897ء)، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ آبادیوں میں خودکشی کا مطالعہء معاملہ ہے، جو نفسیات یا فلسفے سے الگ ایک عمرانیاتی تجزیہ ہے۔ یہ ساختیاتی کارکردگیت کے نظریاتی تصور میں ایک اہم اضافہ ہے۔ مختلف تہانوں میں خودکشیوں کی اطلاعات کو احتیاط کے ساتھ جانچنے کے بعد، اس نے اخذ کیا کہ کیتھولک گروہوں میں پروٹسٹنٹ لوگوں کی نسبت خودکشی کی شرح کم ہے۔ یوں اس نے نفسیاتی یا شخصی اسباب کی بجائے سماجی اسباب کو موضوع بنایا۔ اس نے عمرانیات کی سائنس میں مطالعے کے لیے معروضی "سماجی حقائق" کا خیال وضع کیا۔ اس طرح کی تحقیق سے اس نے یہ ثابت کیا کہ علم عمرانیات کے ذریعے ہی یہ طے ہو گا کہ کوئی سماج 'صحتمندانہ' ہے یا 'مریضانہ' اور سماجی آسیبوں یا نامیاتی انہدام سے بچنے کے لیے سماجی اصلاحات کا راستہ نکالا جائے۔

صنعت پذیری، شہروں کی توسیع، سیکولر سازی اور "معقولیت" کے عمل جیسے جدت کے پروردہ مسائل کے رد عمل میں، عمرانیات بہت جلد ایک درسی علم کے طور پر ترقی پا گیا۔ براعظم یورپ میں یہ علم بہت جلد پھیل گیا اور بعد ازاں برطانوی علم الانسانیات اور شماریات بھی اپنے الگ الگ راستوں پر پڑ گئے۔ بیسویں صدی کے آتے آتے، اینگلو سکسان دنیا میں بہت سے مفکرین سرگرم تھے۔ آغاز کے ماہر عمرانیات اپنے مضمون تک محدود رہے اور ساتھ میں اس علم کا معاشیات، نفسیات، قانون اور فلسفے سمیت بہت سے علوم کے ساتھ اختلاط عمل میں لایا جانے لگا۔ اب تک عمرانیاتی علمیات، طریقہ ہائے کار اور سوالات کے ڈھانچے بڑے پیمانے پر وسعت حاصل کر چکے ہیں۔

دورخاتم، مارکس اور جرمن مفکر میکس ویبر (1864-1920) کو عام طور پر عمرانیات کے تین بنیادی معمار کہا جاتا ہے۔ ہربرٹ اسپنسر، ولیم گرامسمر، لیسنٹر ایف وارڈ، وی وی بی دو بوئے، ولفریدو پاریتو، الیکسس دی شکیاولی، ورنر سومبارت، تھورسٹائن ویبلن، فرڈیننڈ ٹونیس، جارج سمیل اور کارل ماہنہام کو درسی نصابوں میں اس علم کے بانی مفکرین قرار دیا جاتا ہے۔ ان نصابوں میں شارلٹ پرکنز، ماریانے ویبر اور فریڈرک اینگلز کو عمرانیات کی نسائی روایت کے بانی کہا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ہر مفکر کے ہاں ایک مخصوص تناظر اور زاویہ نگاہ ہے۔

مارکس اور اینگلس نے سرمایہ داری کے ترقی پانے کے ساتھ جدید معاشرے کے ابھرنے کا پتہ دیا؛ دورِ خانہ کے نزدیک اس کا تعلق صنعت پذیری اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والی تقسیمِ محنت سے ہے۔ ویبر کے نزدیک یہ ایک ممتاز طرزِ فکر اور عقلی حساب کتاب سے متعلق ہے، جسے وہ پروٹسٹنٹ اخلاقیات سے جوڑتا تھا۔ ان سب کلاسیکی ماہرینِ عمرانیات کے کاموں کو گٹنز نے حال میں 'جدت کے اداروں پر کثیر جہتی نظر' قرار دیا ہے، جو جدت کے کلیدی اداروں کے طور پر ناصرف صنعت پذیری اور سرمایہ داری کی تلقین کرتے ہیں، بلکہ 'نگرانی (یعنی معلومات پر قابو اور سماجی نگرانی) اور 'فوجی قوت' (جنگ کی صنعت پذیری کے لیے تشدد کے طریقوں پر قابو) کی بھی۔

جان بیرس؛ دی سیکنڈ گریٹ ٹرانسفارمیشن؟ کیپیٹل ازم ایٹ دی اینڈ آف ٹونٹی اٹھ سنچری: مطبوعہ 1992

## اثباتیت اور ضد اثباتیت

**اثباتیت**

اثباتیت کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ عمرانیات کو وسیع تر انداز میں فطری سائنس کے طور پر لیا جانا چاہیے۔ عمرانیاتی تحقیق کو آزمودہ بنیاد فراہم کرنے کے لیے تجربیت اور سائنسی طریقہ کار پر زور دیا جانا چاہیے، اس خیال کے ساتھ کہ معتبر علم صرف سائنسی علم ہی ہے اور ایسا علم سائنسی طریقہ کار کی یقین دہانی کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارا مرکزی ہدف سائنسی معقولیت کو انسانی رویوں تک پھیلانا ہے۔ ہمارے معنوں میں اثباتیت وہی ہے جو معقولیت کا نتیجہ ہو۔“

ایمیلے دورخائم؛ دی رُولز آف سوشیالوجیکل میتھڈ، مطبوعہ 1895ء

اس اصطلاح کو یہ معنی ایک طویل عرصے میں حاصل ہونے ہیں؛ اثباتیت کو لے کر الگ الگ علمیاتی حوالوں کی تعداد بارہ سے کم نہیں ہو گی۔ ان میں سے کئی ایک طرز فکر خود کو "اثباتیت پسند" کی شناخت نہیں دیتے، کچھ اس لیے کہ وہ خود اثباتیت کی پرانی شکل سے اختلاف رکھ کر سامنے آئے تھے، جبکہ کچھ اس لیے کہ یہ شناخت تصوراتی تجربیت کے ساتھ غلط کڑیاں ملانے کی وجہ سے غلط اصطلاحی استعمال کا شکار رہی ہے۔ رد اثباتیت پسند تنقید کے کئی ایک رخ ہیں، کچھ کی تنقید سائنسی طریقہ کار پر ہے، جبکہ کچھ اسے بیسویں صدی کی فلسفہ سائنس میں ہونیوالی پیش رفت مان کر اس میں ترمیم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تاہم اثباتیت کو (بہ الفاظ دیگر وسیع تر معنوں میں معاشرے کے مطالعے کا سائنس انداز) اب بھی معاصر عمرانیات میں غالب ترین رجحان ہے، بالخصوص امریکا میں۔

لوئس واکوانٹ اثباتیت کی تین اہم شاخیں بیان کرتا ہے: دورخانم، منطقی اور میکانیکی۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی کومتے کی تعینات سے مشابہہ نہیں ہے، جو اثباتیت کے سخت گیر (اور شاید نیک نیت) مسلک کی وکالت میں منفرد تھا۔ اگرچہ دورخانم نے کومتے کے فلسفے کی بہت سی جزویات کو رد کیا ہے، تاہم اس نے اس کے طریقہ کار کو ناصر صرف تسلیم کیا بلکہ اس میں بہتری بھی لایا۔ اس نے تسلیم کیا کہ سماجی سائنسی علوم، انسانی

سرگرمی کے میدان میں فطری علوم کا ہی منطقی تسلسل ہیں، اس نے زور دیا کہ سبب اور مسبب کے انداز فکر میں بھی وہی معروضیت اور معقولیت قائم رہنی چاہیے۔ اس نے عمرانیات کی سائنس میں مطالعے کے لیے معروضی "سماجی حقائق" کا خیال وضع کیا۔

عصر حاضر میں اثباتیت کی سب سے غالب سمجھی جانے والی شاخ میکانیکی اثباتیت ہے۔ یہ طرز عمل طریقہ کار کی وضاحت، اعتبار، اعادہ پذیری اور سند کا خیال رکھنے کی وجہ سے علمیاتی اور مابعدالطبیعیاتی معاملات (مثلاً سماجی حقائق کی نوعیت) میں پڑنے سے گریز کرتا ہے۔ یہ اثباتیت کم و بیش 'مقداری تحقیق' کی ہم معنی ہے اور پرانی اثباتیت کی واحد شاخ ہے جو ابھی تک عمل میں لائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ طرز عمل کسی فلسفیانہ وابستگی کا حامل نہیں ہوتا، اس لیے اس کے ذریعے کسی بھی مکتب فکر کا محقق اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اس طرز کی جدید عمرانیات کا سہرا کافی حد تک پال لیزرسفیلڈ کے سر جاتا ہے، جس نے بڑے پیمانے پر سروے مطالعات کی نیو رکھی اور ان کے تجزیے کا شماریاتی طریقہ تیار کیا۔

سوال نمبر 2: کسی معاشرے کی بقاء کیلئے ثقافتی اقدار پر عمل کرنا ناگزیر ہے ثقافتی اقدار کی تنزلی معاشرے میں بگاڑ اور مسائل کا سبب بنتی ہے اس تناظر میں پاکستان کے معاشرتی مسائل کی نشاندہی کریں اور ان کے ممکنہ حل کیلئے تجاویز پیش کریں۔

جواب: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ نے ملت اسلامیہ کی زندگی کے ہر پہلو کے لئے راہنمائی فراہم کی۔ ان میں ایک پہلو ثقافتی اور تہذیبی بھی ہے۔ دنیا کی تمام تہذیبوں اور ثقافتوں کے مقابل اسلام کی تہذیب و ثقافت بالکل منفرد اور امتیازی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کی بنیادی وجہ وہ اصول و ضوابط اور افکار و نظریات ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے امت مسلمہ کو عطا فرمائے۔ ثقافت کی تمام تر جہات میں اسوہ حسنہ سے ہمیں ایسی جامع راہنمائی میسر آتی ہے جس سے بیک وقت نظری، فکری اور عملی گوشوں کا احاطہ ہوتا ہے۔ ایسی جامعیت دنیا کی کسی دوسری تہذیب یا ثقافت میں موجود نہیں ہے۔

قبل اس کے کہ سیرت مبارکہ کی ثقافتی و تہذیبی اہمیت پر روشنی ڈالیں، اس امر کی وضاحت کی جاتی ہے کہ ثقافت فی نفسہ کیا ہے؟ ماہرین کے مطابق ثقافت معاشرتی وراثت کے مختلف عناصر میں سے ایک عنصر ہے۔ اس کا تعلق ان افکار و نظریات کے ساتھ ہے جنہیں معاشرے کے افراد اختیار کرتے ہیں اور یہ افکار و نظریات ان کی عملی زندگی میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ انسانی معاشرے میں آنے والی سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں میں ایک محرک ثقافت بھی رہا ہے۔ ثقافت معاشرتی اور سماجی تبدیلی کا موجب ہوتی ہے، اگر وسیع تر تناظر میں ثقافت کے مفہوم و معنی کا تعین کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ثقافت معاشرے کا ایک ایسا پہلو ہے جس کا تعلق ان انسانی سرگرمیوں کے ساتھ ہے جو انسانی معاشرے میں انجام پاتی ہیں اس طرح ثقافت میں علوم، فنون اور عقائد سب شامل ہو جاتے ہیں اور اس میں معاشرے کے مختلف افراد کے وہ اسباب زندگی بھی شامل ہیں جن کے تحت وہ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ یعنی ثقافت معاشرے کے اعتقادی، فکری اور معاشرتی پہلوؤں سے عبارت ہے۔ تاہم ثقافت کے محتویات کے باب میں ماہرین کی آرا مختلف ہیں۔

The term culture is often used to cover the whole range of man's activities when these are viewed psychologically. The anthropologist applies the term to the work of primitive man in making tools, baskets, boats and the like; these are referred to as forms of material culture. The popular mind thinks of culture in terms of polite society, where it connotes good manners and grammatical speech. The crude person who lacks these, even though he be far superior to the savage with his "culture", is referred to as "uncultured", meaning unrefined. Just as the term animal is used to cover various fauna from a tiny insect to a large mammal, so the term culture is often extended to the glimmerings of intelligence in primitive men and the graces of those who move in the best circles of urban society. It will be seen at once that we cannot make headway in the analysis of cultural types among modern nations if we apply the term so indiscriminately. (1)

(1) Charles Gray Shaw, Trends of Civilization and Culture, p. 75.

"ثقافت کی اصطلاح انسانی زندگی کی تمام سرگرمیوں کا احاطہ کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے، جب انہیں نفسیاتی طور پر دیکھا جائے۔ علم البشریات کے ماہرین اس اصطلاح کو ابتدائی انسان کے کام مثلاً اوزار بنانا، ٹوکریاں، کشتیاں اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو مادی ثقافت کی مختلف شکلیں ہیں، کی اصطلاح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ عام ذہن ثقافت کو مہذب معاشرہ کی اصطلاح سمجھتا ہے جہاں یہ اچھے آداب و اطوار اور مہذب علمی گفتگو کا مظہر ہوتی ہے۔ ایک غیر مہذب فرد کو جو ان اوصاف سے محروم ہو اور چاہے وہ اپنی صحرائی اور وحشی ثقافت میں فائق تر ہی کیوں نہ ہو اسے غیر تہذیب یافتہ یعنی غیر شانستہ سمجھا جاتا ہے بالکل اس طرح جیسے لفظ، جانور ایک معمولی کیڑے مکوڑے سے بڑے جانوروں تک تمام نوع حیوانات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس طرح لفظ ثقافت میں ابتدائی انسان کی ذہانت کی معمولی جھلماہٹ سے لے کر جدید شہری آبادی کے شکوہ تک سب شامل ہیں۔"

بعض ان میں صرف معرفت، عقائد، فنون اور اخلاق کو شامل کرتے ہیں، جب کہ بعض کے نزدیک اس میں دین، خاندان، جنگ، امن جیسے ضابطے بھی شامل ہیں جو انسانی نفسیات اور حیاتیات تک کا احاطہ کیے ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ہم مشرق اور مغرب کے تصور ثقافت کو دیکھیں تو اسلام اور غیر

اسلامی دنیا کے تصور ثقافت میں بنیادی فرق تصور دین کا ثقافت کا عنصر ہونا ہے۔ کیوں کہ مغربی نظریات میں دین سے مراد ایک ما بعد الطبیعیاتی نکتہ نظر ہے جس کا تعلق علوم و فنون سے ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ زندگی کی زندہ اور عملی قدر نہیں جبکہ اسلامی نکتہ نظر میں دین ما بعد الطبیعیاتی اور فلسفیانہ حقیقت نہیں ہے بلکہ زندگی کی ایک ایسی زندہ حقیقت ہے جس سے زندگی کا کوئی گوشہ خارج اور باہر نہیں ہے کیونکہ جب دین کو محض ایک فلسفیانہ مسئلہ سمجھ لیا جائے تو اس سے عقیدہ اخلاقی اقدار اور زندگی کے عملی معاملات سے بالاتر ہو کر ایک مجرد تصور رہ جاتا ہے۔ جس کا زندگی پر کوئی اثر نہیں رہتا۔ زندگی اخلاقی اقدار سے محروم ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس کا مظہر آج کا مغربی معاشرہ ہے۔ جبکہ اسلام کے معاشرتی نظام میں دین کو زندہ قدر قرار دیا گیا ہے۔ زندگی کی کوئی بھی حقیقت اور کوئی بھی معاملہ چاہے اس کا تعلق سماجیات سے ہو، معاشرتی امور، سیاسیات یا اقتصادیات سے ہو، قومی، ملکی یا بین الاقوامی امور سے ہو، یہ سب کے سب دین میں داخل ہیں۔ دین کے فراہم کردہ اصولوں کی روشنی میں ان امور کو چلایا جا سکتا ہے۔ جبکہ دنیوی مقاصد اور مفادات کبھی بھی کسی بھی صورت میں دینی اقدار اور معیارات سے آزاد، الگ اور خود مختار نہیں رہتے۔

#### 1. ثقافت اور معاشرتی اقدار

ثقافت معاشرتی اقدار کے تعین میں بنیادی اور کلیدی کردار ادا کرتی ہے:

Wherever human beings form communities, a culture comes into existence. Cultures may be constructed on a number of levels: in village or city locations, or across family, clan, ethnic, and national groups. All communities produce a linguistic, literary, and artistic genre, as well as beliefs and practices that characterize social life and indicate how society should be run. Culture transcends ideology, and is about the substance of identity for individuals in a society. An awareness of a common language, ethnicity, history, religion, and landscape represent the building blocks of culture.(1)

(1) Simon Murden, Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics, p. 457.

”جہاں کہیں بنی نوع انسان کوئی بستی تشکیل دیتے ہیں کلچر وجود میں آ جاتا ہے۔ کلچر کئی سطحوں پر تشکیل پاتا ہے مثلاً گاؤں یا شہر میں یا خاندان، قبیلہ، نسلی اور قومی گروہوں میں تمام گروہ ایک لسانیاتی، ادبی اور فنی صنف تخلیق کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ عقیدے اور اعمال بھی جو اس کی سماجی زندگی کے مظہر ہوتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ معاشرے کو کیسے چلانا ہے۔ کلچر (اپنی جامعیت کے لحاظ سے) نظریے پر فائق ہوتا ہے اور معاشرے میں افراد کی شناخت کا باعث بھی ایک مشترک زبان، نسلیت، تاریخ، مذہب اور معاشرے کا زمینی منظر کلچر کے تشکیلی عناصر ہیں۔“

کسی بھی قوم کی ثقافت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی اقدار پر قائم ہو جس کا تعلق عقیدہ، فکر، طرز زندگی اور زندگی کے مقصد کے تعین کے ساتھ ہو، اس طرح ثقافت روحانی، نفسیاتی اور معاشرتی اثناء قرار پاتی ہے جو تاریخ کا ایک ایسا مرکز و محور ہوتی ہے جس سے کسی بھی قوم کی تاریخ کے مختلف پہلو اور گوشے جنم لے رہے ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ثقافت مثبت معاشرتی اقدار کو جنم نہ دے یا وہ اپنی اساس کے لحاظ سے مستقل اور آفاقی اصولوں سے محروم ہو تو ایسی ثقافت کھوکھلی اور ادھوری ثقافت قرار پائے گی۔ جو کوئی بھی بڑی تہذیب تشکیل دینے میں ایک فعال کردار ادا نہیں کر سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ثقافت معاشرے میں ایسی بنیادی اقدار کی صحیح اور موثر تعبیر اور ترجمانی کرے جو اقدار معاشرے کے مثبت اور اہم خدوخال کا تعین کریں اور معاشرے کی ترقی اور نشوونما کی حرکت کو منظم کریں اور اس کے لیے ایک جامع فکر کا تعین کریں۔ کیوں کہ کلچر کسی بھی معاشرے کے اجتماعی طرز عمل کا مظہر ہوتا ہے:

Culture can help us understand why humans act in the way they do, and what similarities and differences exist amongst them. The world is divided into distinct communities, and a taxonomy of belonging and exclusion is the vital job that cultural analysis can undertake.(1)

(1) Simon Murden, Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics, p. 457.

”کلچر ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ لوگ ایک مخصوص طرز عمل کا اظہار کیوں کرتے ہیں اور ان میں کیا مشابہتیں اور اختلافات پائے جاتے ہیں۔ دنیا واضح آبادیوں میں تقسیم ہے اور متعلق اور غیر متعلق کی تقسیم کرنا وہ اہم کام ہے جو ثقافتی تجزیہ سے کیا جا سکتا ہے۔“

اگر ثقافت مذکورہ صفات کی حامل بنیادی اقدار سے خالی ہے تو اس کے اثرات معاشرے پر ہوں گے۔ نتیجتاً معاشرہ مختلف قسم کے بحرانوں کا شکار ہو جائے گا اور اس میں کسی بھی قسم کا تحریک پیدا نہیں ہو سکے گا۔ بالآخر مختلف انواع اور مسائل کے معاشرے میں در آنے سے معاشرہ افتراق اور انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

کسی معاشرے کی ثقافت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قدر موثر ہو کہ اقدار کا دائرہ کار متعین کرے اور انہیں مضبوط بنائے۔ کیونکہ کسی بھی معاشرے میں اقدار ہی وہ معیار ہیں جو معاشرے کو مضبوط بناتی ہیں اور اسے زندہ رکھتی ہیں۔ اقدار ہی معاشرے میں اچھی روایات کو فروغ دیتی ہیں۔ اس طرح معاشرہ مستقبل کی ایک ایسی مثالی تصویر پیش کرتا ہے جس کی بنیاد دیرپا اور آفاقی انسانی اقدار پر مبنی ہوتی ہے۔

اقدار اور ثقافت کا باہمی تعلق اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اپنی اقدار کا بنظر غائر جائزہ لیں۔ وہ اسلامی اقدار جن سے ہماری ثقافت موثر اور فعال رہتی ہے، ہمارے معاشرے کو امتیازی خدوخال فراہم کرتی ہیں۔ معاشرے میں خیر و شر کے مابین فرق و امتیاز کا تعین کرتی ہیں۔ اسلامی اقدار کا مرکز و محور واقعاتی معیارات نہیں یعنی ایسے معیارات نہیں جو کسی رنگ، نسل، عصبیت، دولت یا دنیوی برتری سے متعلق ہوں کیونکہ یہ وہ معیارات ہیں جو انسان کو فکری اور شعوری اعتبار سے اقدار کی طرف لے جاتے ہیں جو دور جابلیت میں رائج تھیں۔ اس کے نتیجے میں انسان اسلام کے اصلی اور حقیقی منہاج سے دور ہوتا چلا گیا اور مختلف معاشرتی مسائل کا شکار ہوا۔ جبکہ اسلام انسانیت کی فلاح و خیر کی بات کرتا ہے۔ اسلام کے اسی تصور ثقافت سے ایسی اسلامی اقدار جنم لیتی ہیں جو انسانی بھلائی اور عزت و تکریم کی ضامن ہیں۔

دعوت و تبلیغ اسلامی معاشرے کا ایک لازمی خاصا رہا ہے۔ اگر ہم اسلام کے نظام دعوت و تبلیغ کا جائزہ لیں تو یہ محض دین یا مذہب کے مابعد الطبیعیاتی عقائد کے ابلاغ کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اسلامی اقدار معاشرے میں متعارف کروانا ہے۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ کا بنیادی مقصد اسلامی اقدار کو معاشرے کے افراد کے قلب و روح میں اس طرح جاں گزیر کرنا ہے کہ وہ تمام رسوم و رواج جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں معاشرے سے ختم کر دی جائیں اور ان اسلامی اقدار کو عام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے افراد ایمان، استقامت اور صبر جیسی صفات حسنہ سے اپنے آپ کو مزین کریں۔ تاکہ افراد معاشرہ ان اقدار کی حقیقی تصویر پیش کریں۔ قرآن حکیم جہاں ہمیں دنیا و آخرت کے حوالے سے کامیاب زندگی کا نقشہ دکھاتا ہے ان میں بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ یہ اللہ کا طے کردہ ایک آفاقی اصول ہے کہ دنیا کی کوئی بھی کامیابی ضبط اور انقیاد کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسلامی معاشرے میں ضبط و انقیاد کا اصول عبادات، عقائد اور معاملات میں جاری و ساری نظر آتا ہے۔ یہ ضابطہ جہاں اقدار کی بنیت اور نوعیت کو متعین کرتا ہے وہاں انسانی معاشرے کی ان مستقل جہات کا تعین بھی کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرے کی بنیت، اس کی شکل و صورت اور خدوخال دنیا کے کسی بھی تہذیبی اور ثقافتی تصادم سے دوچار ہوتے ہوئے مسخ نہیں ہو سکتے۔

## 2. ثقافت اور تہذیب کا باہمی تعلق

ثقافت اور تہذیب باہم متعلق حقیقتیں ہیں:

The confusion in the use of the term culture is that which arises when it is closely associated with civilization, so closely associated as to be identified with it. The term when it is used in its most general sense is often made to include both culture and civilization.(1)

(1) Charles Gray Shaw, Trends of Civilization and Culture, American Book, 1931, p. 76.

”لفظ کلچر کی وضاحت اس وقت مشکل ہو جاتی ہے جب یہ تہذیب کے ساتھ بہت گہرا وابستہ ہوتا ہے گویا کہ اسے تہذیب کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ جب کلچر کی اصطلاح کو عمومی معنی میں استعمال کیا جائے تو اس میں تہذیب اور ثقافت دونوں شامل ہوتی ہیں“

جب کہ بعض محققین کے نزدیک تہذیب اور ثقافت دو مختلف حقیقتیں ہیں ان کے نزدیک ثقافت کا تعلق معنوی امور سے ہے جبکہ تہذیب کا تعلق مادی امور سے ہے۔ تاہم صفات کے اس فرق کے باوجود جہاں تک بنیادی نوعیت کا تعلق ہے تہذیب اور ثقافت ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔ ثقافت کا تعلق صرف معنوی اور روحانی امور سے ہے جبکہ تہذیب کا تعلق وسائل اور جدید چیزوں سے ہے، جن سے معاشرے میں ترقی اور آسانیاں پیدا ہو رہی ہیں اور اس طرح اس سے مراد وہ نظام حیات ہے جو ایک معاشرہ اپنی معاشرتی ساخت کو مضبوط کرنے اور اس کو ترقی پذیر کرنے کیلئے وضع کرتا ہے۔ اگر لغوی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس سے مراد شہروں اور گاؤں میں سکونت پذیر لوگوں کی مختلف معاشرتی و ملکی سرگرمیاں ہیں۔ چونکہ اسلامی تمدن کے مختلف مادی و معنوی پہلو ہیں جن کے معرض وجود میں آنے کا سبب انسان کی یہی وہ بنیادی سرگرمیاں ہیں جو اس کرہ ارض پر اس کی بقا کے تسلسل اور حصول رزق سے متعلق ہیں۔ یعنی ثقافت انسانی اذہان کی معرفت سے عبارت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انسانی اذہان کی ترقی و معرفت اور ان کے افکار و نظریات کی اسی وقت نشوونما ہو سکتی ہے جب کسی خطہ ارضی پر شہروں کی شکل میں سکونت اور استقامت میسر ہو۔

اس ساری بحث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ثقافت اور تہذیب باہم لازم و ملزوم ہیں، تہذیب یعنی معاشرہ اور اس کی ثقافت یعنی اقدار، افکار و نظریات اور نظام حیات سے عبارت ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ خصوصیات جن سے امت کو امتیازی حیثیت ملتی ہے وہ تہذیب یا ثقافت کی خصوصیات ہی ہیں۔ ماہرین کے نزدیک تہذیب کے مفہوم کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو انسان سر انجام دیتا ہے اور ان کا تعلق انسان کے عقلی، مادی، روحانی، دینی اور دنیوی تمام پہلوؤں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی تہذیب ایک طویل انسانی تاریخ سے عبارت ہے جو انسان مختلف زمانوں میں تخلیق کرتا رہتا ہے، اس کا تعلق کسی گروہ یا قوم کے ساتھ ہو سکتا ہے یا وہ اس گروہ یا قوم کی میراث ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ قوم دیگر قوموں پر امتیازی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ پس اس معنی و مفہوم کے اعتبار سے تہذیب ثقافت سے زیادہ عموم کی حامل ہے اس کا اطلاق روحانی اور فکری پہلو پر کیا جاتا ہے۔ جبکہ تہذیب معنوی و مادی دونوں پہلوؤں پر محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امر کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ تہذیب و تمدن کا گہوارہ قرار دینے والے شہروں میں سرگرمیاں نسبتاً زیادہ رہتی ہیں۔ یعنی تہذیب انسانی تقدم و تطور، سائنسی علوم، دینی علوم ادب اور علماء و محققین کی ان کاوشوں کا مظہر ہے جن کو وہ مختلف زمانوں میں سر انجام دیتے رہے ہیں۔ جہاں تک اسلامی تہذیب کا تعلق ہے اس نے بھی اپنے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے مگر یہ تعین صرف ایک مرتبہ وجود میں آیا ہے۔ اس تعین کے بعد قرآن حکیم کی روشنی میں اس کے خدوخال متعین کیے گئے ہیں جنہوں نے دور جابلیت کے تمام نظریات کی نفی کر دی اور اسلامی معاشرہ کے افکار و نظریات کا منہاج متعین کیا جو ایجابی طریقہ کار کے مطابق مستقبل کی جانب پیش قدمی کرتا ہے اور یہی طریقہ کار ملت کے تشخص کے تحفظ و سلامتی کا ضامن ہے۔

سوال نمبر 3: کمیونٹی ڈیولپمنٹ میں علاقے کے لوگوں کی سرگرمی شرکت ایک ایسا بنیادی عنصر ہے کہ اس کے بغیر یہ تصور ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اس تصور کو مد نظر رکھتے ہوئے شہری اور دیہی ترقی میں لوگوں (کمیونٹی) کے کردار پر روشنی ڈالیں اپنے جواب کو مثالیں دے کر واضح کریں۔

جواب: غالب کا ایک مقبول و معروف شعر ہے

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں

میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

اردو کے مقبول ترین شاعر اسد اللہ خاں غالب کو دنیا ایک شاعر کی حیثیت سے جانتی اور مانتی ہے لیکن ان کے خطوط ان کے دور کی بہترین عکاسی کرتے ہیں جس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔

غالب کی شاعری ان کی شخصیت کی پہچان ہے لیکن غالب نے اپنے دوستوں، شاگردوں اور نوابوں کو بہت سے خطوط لکھے۔ یہ خطوط انہیں سمجھنے کے لیے ان کی شاعری کی ہی طرح اہم ہیں۔

ان خطوط میں خوشی ہے، شفقت ہے، بے بسی ہے، التجا ہے، تعصب ہے، پریشانیوں کا ذکر ہے، دل کی جلن ہے، آب و ہوا کا احساس ہے، شراب ہے، مرغیوں کے انڈوں کے برابر گرنے والے اولے ہیں، بارش ہے۔ کھیت ہیں، ربیع و خریف کی فصلیں ہیں، گھر کی دیواروں کی دراڑیں ہیں، دیواروں تلے دب کر مرنے والے لوگ ہیں، انسان کے سکھ چین پر ٹوٹ پڑنے والے لشکر ہیں۔

قحط ہیں، سیلاب ہیں، وبائیں ہیں، بخار ہیں، رات کی تاریکیاں ہیں، رات کی تاریکیوں میں نقب لگا کر تختے، دروازے اور چوکھٹیں نکال کر لے جانے والے چور ہیں، اس چوری سے پریشان غریب غریبا ہیں، جیشٹھ یعنی منی جون کی گرمی اور گرم ہوائیں ہیں، گرمیوں کی شدت کم کرنے کے لیے خس ہے، شاعری اور ادب کے تعلق سے مباحثے ہیں، مالی تنگیوں کا رونا ہے، گندم، چنے، باجرے، بیسن اور گھی کی آسمان چھوٹی قیمتیں ہیں۔ قبل از وقت مرگ کا نوحہ ہے، دوستوں سے بچھڑنے کا رنج ہے، یادیں، افسردگی، اجڑے اور ویران بازار ہیں، حویلیوں کا ذکر ہے۔ گزرے ہوئے ماضی اور آنے والے مستقبل کا ذکر ہے۔

غالب کے خطوط کا ایک دلکش حصہ کاغذ پر بکھرے ہوئے موسم کے رنگ ہیں، یہ خطوط آب و ہوا کے مرقعے ہیں، یہ اس دہلی کا منظر پیش کرتے ہیں جس کے اوپر کے آسمان اور آنکھوں کے درمیان گرد کا پردہ نہیں تھا۔

رات بوتے ہی انجم رخشنده یعنی کہکشاں اس طرح پھیل جاتی تھی جیسے کوئی روشنیوں سے جگمگاتا ہوا مندر اپنے دروازے کھول رہا ہو اور اس کی روشنی سے سارا ماحول روشنیوں میں نہا گیا ہو۔ شاید اسی طرح کے کسی منظر کے تحت مرزا غالب کے دل نے یہ کہا ہوگا۔

شب بونی پھر انجم رخشنده کا منظر کھلا

اس تکلف سے کہ گویا بت کدے کا در کھلا

کچے راستوں سے دھول ضرور اڑتی تھی لیکن ہوا میں دم نہیں گھٹتا تھا۔ زندگی سخت تھی لیکن آسمان زبریں نہیں تھا، گرمی ہو یا سردی غریبوں کے لیے سارے موسم سخت تھے۔ برسات آج ہی کی طرح تھی۔ جھلسی ہوئی زندگی کو اپنی بوندوں سے شربور کر کے برا بھرا کر دینے والی۔

غالب کے دور میں دہلی میں موجود بہت سارے 'صاحبوں اور میم صاحبوں' نے انڈیا کے جن موسموں کو پہچانا تھا غالب کے خطوط میں ان موسموں کے بھر پور حوالے ہیں۔ غالب نے نئے معانی میں فطرت سے دوری کو اپنے خطوط کے ذریعے پورا کیا ہے۔

غالب کے اشعار میں موسم کا تذکرہ اس لیے دلچسپ ہے کیونکہ وہ روزمرہ کی زندگی کے اس وقت کی سختی کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ غالب کے دور میں، ڈوری کی مدد سے چھت سے لٹکے ہوئے پنکھے، جو ہاتھ سے چلائے جاتے تھے، عام نہیں تھے۔ گرمی سے لڑنے کے لیے ہاتھ سے جھلنے والے پنکھے ہی سب سے بڑا سہارا تھے۔

مصنف پرسیل اسپینر کے مطابق انگریزوں نے چھت سے جھولنے والے پنکھے سنہ 1785 میں کلکتہ میں استعمال کیے تھے لیکن اس کے باوجود بھی بڑے پیمانے پر ان کا استعمال بہت دیر میں شروع ہوا۔

ایک برطانوی صحافی ولیم ہکی نے اس کے استعمال کا ذکر کیا ہے جس کے مطابق یہ مسلسل چلنے والا پنکھا اپنے آپ میں عیش کا سامان سمجھا جاتا تھا۔ بمبئی میں پلی اور ایکسل سے چلنے والے پنکھے کا پہلی بار سنہ 1809 میں ذکر ملتا ہے۔ مور کے پنکھوں یا خس سے بنے پنکھے ہی زیادہ استعمال کیے جاتے تھے۔

دیہات اور کاشتکاری کی باتیں

کہتے تھے۔ اس کے 'موفصل' یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ غالب کے خطوط میں قلعہ بند شہر سے باہر کی پھیلی دنیا ہے جسے برطانوی بیوروکریٹ رنگ انتہائی محدود پیمانے پر ملتے ہیں لیکن یہ بھی نہیں کہ وہ اس سے پوری طرح ناواقف تھے چنانچہ ان کے خطوط میں دیہاتی زندگی کی جھلک بھی ملتی ہے۔

جیشٹھ مہینے کے کمزور ہوتے ہی کھیت بوائی کے لیے تیار ہو جاتے تھے، جولائی 1860 کے ایک خط میں وہ موسم کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں: 'برسات یہاں بھی اچھی ہوئی ہے لیکن ایسی نہیں جیسی کالپی اور بنارس میں، زمیندار خوش، کھیتیاں تیار ہے۔ خریف کا بیڑا پار ہے۔ ربیع کے واسطے پوہ (پوس) ماہ درکار ہے' (غالب لیٹرز)

کاشتکاری اتنی آسان بھی نہیں تھی، بارش کی بوندوں کے ساتھ اولے بھی پڑتے تھے۔ کسان اور موسم کے تعلقات کے راگ بہت ہی پرانے ہیں۔ بارش لو اب دس بارہ دن سے مینہ کا نام 'نپے تلے انداز سے کب ہوتی ہے۔ کبھی جم کر برسے اور کبھی بے دلی سے۔ ساون کا مہینہ تھا، غالب نے لکھا: (غالب لیٹرز، جلد 1، 'نہیں رہا، دھوپ آگ سے زیادہ تیز ہے، اب روتے پھرتے ہیں کہ کھیتیاں جلی جاتی ہیں، اگر مینہ نہ برسے تو کال پڑے گا۔ صفحہ -203)

آج کی سہولت بھری زندگی گزارنے والوں کے لیے یہ تصور کرنا بھی مشکل ہو گا کہ قحط کا احساس انسان کی زندگی میں کتنا خوفناک رہا ہے۔

جس صدی کے آخر میں جب غالب کی پیدائش ہوئی اسی اٹھارہویں صدی کی ابتدا ایک قحط سالی سے ہوئی تھی۔ نکولانے منوچی (1638-1717) ایک اطالوی سیاح ہیں جو مغل دور میں ہندوستان آئے تھے۔ ان کے مطابق سنہ 1702 سے 1704 کے درمیان قحط سے تقریباً 20 لاکھ افراد کی موت ہو گئی تھی، بھوک میں مبتلا افراد اپنے بچوں کو ایک چونی کی قیمت پر بیچنے کی پیشکش کر رہے تھے اس کے باوجود بھوکے رہتے تھے کیونکہ ان کو خریدنے والا کوئی نہیں تھا۔

تھا، یہ وہ صورتحال تھی جس میں پانی اتنا ہوتا تھا کہ کھڑی فصل پانی کی زیادہ مقدار سے تباہ ہو جاتی، پنکال، کسان کے لیے اکل لفظ کا متضاد تھی۔

دیہی خواتین کے تربیتی پروگرام

کسی بھی ملک کی ترقی کا دارومدار اس کی تعلیم اور ہنر مند طبقہ سے ہوتا ہے۔ پاکستان میں 75 فیصد آبادی دیہی علاقوں میں رہتی ہے۔ آبادی کا تقریباً 50 فیصد خواتین ہیں۔ ہمارے ملک میں خواتین روایتی طور پر وسائل سنبھالنے اور زراعت کے کاموں میں مردوں کی مدد کرنے کے ذریعہ گھر چلانے کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ خواتین اس معاشرے میں مردوں کی طرح وہی کردار ادا کیوں نہیں کر سکتی۔ کسی بھی منطقی معیار کے مطابق، خواتین کا کردار بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا مردوں کا ہے۔ اس طرح ہمارے ملک کی 50 فیصد آبادی نظر انداز کی جاتی ہے۔ دیہی علاقوں میں روزگار کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے دیہی آبادی شہری علاقوں میں ہمیشہ ہجرت کر جاتی ہے۔ دیہی خواتین کی اکثریت اسکول چھوڑنے والی ہے جن کی پیداواری مہارت کی کمی ہے۔ لہذا دیہی خواتین دیہی ترقی کے تناظر میں ایک اہم جزو ہیں۔ دیہی برادری کی معاشرتی زندگی میں خواتین کی موثر اور فعال شرکت کی ضرورت ہے۔ لہذا ہمیں ان کو کچھ مہارتوں کی فراہمی اور لیس کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ ریڈک اس مسئلے کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ خواتین کی مہارت کی ترقی کے لئے مندرجہ ذیل مختصر کورسز پیش کیے جا رہے ہیں۔

EST.

2021

- پھل اور سبزیوں کا تحفظ
- کچن گارڈننگ
- صاف ستھرا کپاس کی چٹائی اور حفاظتی اقدامات
- شہد کی مکھیوں کا انتظام
- کیڑے مار دوا کے استعمال سے متعلق حفاظتی اقدامات
- کچن کے کچرے سے کھاد کی تیاری
- گھریلو پودوں کا انتظام

شہری خواتین تربیتی پروگرام

تعلیم اور مہارت معاشی اور معاشرتی خوشحالی کے حصول کی کلید ہیں۔ ریڈک معاشرے میں خواتین کے کردار کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ خواتین کے کردار کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے، ریڈک شہری خواتین کے لئے تربیتی پروگراموں کا اہتمام کر رہا ہے جن میں کالج اور اسکول کی لڑکیاں، خواتین اساتذہ، اور گھریلو خواتین شامل ہیں۔ اس پروگرام سے یقینی طور پر ان کے گھریلو بجٹ کے اخراجات کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔ ان تربیت کے ذریعہ وہ صحت مندانہ سرگرمیوں میں بھی شامل ہوں گے۔ ایک ہفتے کے بعد شہری خواتین کے لئے تربیتی پروگراموں کا اہتمام کیا گیا ہے۔

- تازہ پھل اور سبزیوں کا تحفظ، تیاری اور قدر افزودگی
- کچن گارڈننگ (گھریلو پیمانے پر سبزیوں کی کاشت)